قومیں پھٹ جائیں تو فیض نبوت کے بغیر اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔

حبل اللہ سے مراد قرآن اور محمد ﷺ کی سنت ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 27 مئی 1994ء بمقام ناصر باغ گروس گیراؤ۔ جرمنی)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ۖ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ (آل عمران: 104)

پھر فرمایا:۔

آج اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کا پندرھواں سالانہ اجتماع منعقد ہو رہا ہے اور آج کے جمعہ ہی کے دوران یا اسی ذریعہ سے ان کے اجتماع کا افتتاح ہوگا۔ یعنی افتتاح کی کسی الگ تقریب کی ضرورت نہیں یہی جمعہ ان کے اجتماع کا افتتاح ہے۔ اس کے

ساتھ کچھ اور دنیا کے ممالک میں بھی بعض مجالس یا بعض اجتماعات منعقد ہو رہے ہیں ان کے نام بھی میں پڑھ کر سنا دیتا ہوں ان کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور جو آج کے پیغامات ہیں وہ ان سب کے لئے مشترک ہیں۔

مجلس مشاورت جماعت احمدیہ U.K آج 27 رمئی سے شروع ہو رہی ہے۔ تین دن تک جاری رہے گی۔ مجلس خدام الاحمدیہ بریمپٹن کینیڈا کا ایک روزہ سالانہ اجتماع کل بروز ہفتہ شروع ہو رہا ہے۔ جماعت احمدیہ ملائیشیا کا جلسہ سالانہ 29 رمئی سے 31 رمئی تک منعقد ہو رہا ہے۔ اس علاقے کے قریبی ممالک سے بھی بہت سے نمائندگان اس میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں۔ امریکہ کے ساؤتھ ریجن کے خدام، اطفال اور لجنہ کی ذیلی تنظیموں کے سالانہ اجتماع 28 اور 29 رمئی بروز ہفتہ اور اتوار منعقد ہوں گے۔

جس آیت کریمہ کی میں نے تلاوت کی ہے یہ آل عمران کی آیت 104 ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم سب مضبوطی کے ساتھ اللہ کی رسی کو تھام لو اور باہمی منقسم نہ ہو، ایک دوسرے سے پھٹ کر الگ نہ ہو جاؤ۔ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو جبکہ تم باہم دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو آپس میں باندھ دیا۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا تو تم اللہ کی نعمت کے ذریعے بھائی بھائی ہو گئے۔ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے تو اس نے تمہیں اس میں گرنے سے بچالیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے نشانات کو کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

حَبْلِ اللّٰهِ سے کیا مراد ہے اس کے متعلق ایک دفعہ میں نے ایک گزشتہ خطبہ میں بیان کیا تھا کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ ہی حبل اللہ ہیں۔ لیکن حبل اللہ کا صرف ایک ہی مفہوم نہیں۔ خود حضرت اقدس محمد ﷺ سے ثابت ہے کہ قرآن کریم حبل اللہ ہے۔ پس کیا ان دونوں باتوں میں کوئی فرق ہے یا ایک ہی مضمون کے بیان کے دو پہلو ہیں۔ میرے نزدیک ایک ہی مضمون کے بیان کرنے کے دو الگ الگ انداز ہیں۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ حضرت اقدس محمد ﷺ کا دامن تھامے بغیر قرآن کچھ بھی فائدہ کسی کو نہیں پہنچا سکتا اور حقیقی قرآن کا مفہوم انسان پر حضرت محمد مصطفی ﷺ کے وسیلے کے بغیر روشن نہیں ہو سکتا۔ پس اگر چہ کتاب اللہ ہی حبل اللہ ہوتی ہے مگر اس حبل اللہ کا نمائندہ

جس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کتاب اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا جاتا ہے وہ بھی حبل اللہ ہے اور حبل اللہ ہی کی ایک دوسری صورت ہے۔

پس اس پہلو سے میں پھر اسی بات کا اعادہ کرتا ہوں کہ حبل اللہ سے مراد قرآن کریم بھی ہے۔ قرآن کریم اوّل طور پر ان معنوں میں کہ قرآن کے نزول سے ہی محمد مصطفیٰ ؐ کا وجود ظہور میں آتا ہے۔ اسی لئے کتابوں پر ایمان پہلے رکھا گیا ہے اور انبیاء پر ایمان اس کے بعد رکھا گیا ہے۔ کتاب نبی بناتی ہے اور کتاب ہی سے نبی بنتا ہے مگر اس نبی کو نظر انداز کر کے محض کتاب پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش ایک شیطانی کوشش ہے، نفس کا دھوکہ ہے۔ حقیقت میں خواہ وہ قرآن ہو یا تورات ہو یا انجیل یا کوئی اور نام اس کتاب کا رکھ لیجئے جب تک اس نبی کے ساتھ تعلق نہ باندھا جائے جس پر کتاب نازل ہوئی ہے اور سلسلہ وار اس تعلق کو آگے بڑھایا نہ جائے اس وقت تک حقیقت میں حبل اللہ کو تھامنے کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔

قرآن کی زندہ مثال حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تھے اور آپ ؐ ہی کی زبان سے ہم نے قرآن کو سمجھا اور آپ ؐ ہی کی ذات میں قرآن جلوہ گر دیکھا۔ آپ ؐ کی ذات میں قرآن کریم چمکا ہے اور اس کے مضامین روشن ہو کر ہمارے سامنے ایک زندہ وجود کے طور پر آئے ہیں اور آپ ؐ کے بعد یہی سلسلہ خلافت کے ذریعے آگے جاری ہوا۔ پھر مجددیت کے ذریعہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچا۔ پس یہ سارا سلسلہ ہے کوئی الگ سلسلہ وہی حبل اللہ کا سلسلہ نہیں۔ پس اس سلسلے کو مضبوطی سے تھام لیں۔ یہی وہ مضمون ہے جو اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اگر اس کو مضبوطی سے تھام لیں گے تو اس کا پہلا اثر اور پہلا فیض آپ یہ دیکھیں گے کہ آپ اکٹھے ہو گئے ہیں۔ آپ کے بٹے ہوئے دل جو قریب تھا کہ آپ کو لے کر آگ میں جا پڑتے، وہ بٹے ہوئے دل مجتمع ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو آپس میں باندھ دیا اور اس باندھنے کے ذریعے پھر اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ آپ پھر منتشر ہونے کی بجائے مجتمع ہوئے اور ایک ملت واحدہ کے طور پر آپ کا وجود ابھرا۔ یہ ہے حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامنا اور اس کی ظاہری علامت جو دنیا میں دکھائی دینے لگتی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے لفظ ''نعمت'' کو استعمال فرمایا ہے۔ فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ

فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا تم اس کی نعمت کے ذریعے بھائی بھائی بنے ہو۔نعمت سے جیسا کہ آپ قرآن کریم کے محاورے سے معلوم کر سکتے ہیں۔اول مراد نبی ہوتا ہے اور امرِ واقعہ یہ ہے کہ **جب قومیں پھٹ جاتی ہیں تو نبوت کے فیض کے بغیر وہ دوبارہ اکٹھی نہیں ہوا کرتیں۔کوئی دنیا کی طاقت مذہبی لحاظ سے پھٹی ہوئی اور پھٹتی ہوئی قوموں کو دوبارہ ایک ہاتھ پر جمع نہیں کرسکتی سوائے نبوت کے۔پس ان معنوں میں نبوت حبل اللہ ہے۔**

شریعت کے لئے کتاب اترتی ہے۔مگر اس کتاب کے ساتھ تعلق نبوت کے ذریعے قائم ہوتا ہے اور جب ایک دفعہ ایک ہاتھ پر جمع ہونے کے بعد پھر قومیں پھٹ جاتی ہیں تو پھر نبوت ہی کا فیض ہے جو انہیں دوبارہ اکٹھا کیا کرتا ہے۔ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا میں یہ پیغام ہے اور جماعت احمدیہ اس پیغام کی ایک زندہ حقیقت بن کر منصۂ شہود پر ابھری ہے۔ایک زندہ ثبوت بن کر ظاہر ہوئی ہے۔تمام دنیا میں دوسرے مسلمان فرقوں اور مذاہب کو دیکھ لیں جب وہ ایک دفعہ پھٹنے شروع ہوئے تو پھٹتے چلے گئے۔ان سے وحدت جاتی رہی۔ایک ہاتھ پر وہ اکٹھے پھر نہ ہو سکے۔نہ وہ ہاتھ آسمان سے اترا نہ ان کو توفیق ملی کہ اس ہاتھ میں ہاتھ دے کر وہ پھر اکٹھے ہو جائیں۔ان کے دل بٹے تو پھر بٹتے ہی رہے۔ان کے باہمی عناد اور زیادہ دشمنی میں تبدیل ہوتے رہے۔لیکن دشمنوں نے محبت کا روپ پھر نہ دھارا۔ایک ایسی دردناک کہانی ہے جو تمام عالم میں اسی طرح آپ کو چسپاں ہوتی ہوئی دکھائی دے گی۔**آج صرف ایک جماعت احمدیہ ہے کہ اللہ کے فضل اور رحم کے ساتھ یہ اعلان عام کرسکتی ہے کہ کسی نے اگر حبل اللہ پر اکٹھے ہوتے ہوئے کسی کو دیکھنا ہے تو آئے اور جماعت احمدیہ کا مشاہدہ کرے۔تمام دنیا میں 134 ممالک میں پچھلے سال تک تھا اور اب یہ سلسلہ ایک سو چالیس ممالک تک پھیل چکا ہے۔تو دنیا کے ایک سو چالیس ممالک میں مختلف مذاہب سے جو پہلے مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے تھے۔وہ لوگ مختلف زبانیں بولنے والے،مختلف رنگ و نسل سے تعلق رکھنے والے،مختلف سیاسی مملکتوں میں بسنے والے یا ان کے باشندے آج ایک ہاتھ پر اس طرح اکٹھے ہو گئے ہیں کہ ایک ملت واحدہ وجود میں آ گئی ہے۔اگر یہ اللہ کی نعمت کے ساتھ نہیں تھا تو کیسے ممکن تھا۔پس وہ خدا کی نعمت دوبارہ نبوت کے طور پر ہم میں اتری ہے اور وہی محمدی نبوت ہے، وہی اللہ اور رسول کی محبت میں قائم ہونے والی جماعت ہے جسے خدا تعالیٰ نے نبوت کی نعمت سے پھر**

نوازا ہے، جو دوبارہ ایک ہاتھ پر جمع ہو چکی ہے، ایک ہی ہاتھ پر اٹھتی ہے ایک ہی ہاتھ پر بیٹھ جاتی ہے، ایک ہی اشارے پر حرکت میں آتی ہے اور ایک ہی آواز پر لبیک کہتی ہے۔ اگر چہ جواب دینے والوں کی زبانیں مختلف ہیں، ہوسکتا ہے وہ سینکڑوں زبانیں بول رہے ہوں۔ لیکن دل کی آواز وہی ہے کہ لبیک اللھم لبیک۔ اے ہمارے اللہ تیرے نام پر جو آواز بلند ہوئی ہے ہم اس کے جواب میں لبیک کہتے ہیں اور لبیک کہتے چلے جائیں گے۔

پس یہ وہ مضمون ہے، امت واحدہ بنانے والا، جس کو قرآن کریم کی اس آیت کے حوالے سے میں آپ کو دوبارہ یاد دلاتا ہوں اور یہ بتاتا ہوں کہ قرآن کریم نے جو مثال دی ہے وہ ایک طرف اللہ کی نعمت کو ہم پر خوب کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ دوسری طرف ہر قسم کے پیش آمدہ خطرات کو دکھانے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا حال یہ تھا کہ یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کی نعمت پر اکٹھے ہو جانے والو! تمہارا حال یہ تھا کہ تم آپس میں بٹے ہوئے تھے، ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے، دل بھی پھٹے ہوئے تھے، قبائل بھی جدا جدا تھے۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ تم اس آگ میں جا پڑو جس کے کنارے تک تم پہنچ چکے تھے۔ باہمی نفرتیں، باہمی اختلافات، باہمی دشمنیاں، ان کی مثال قرآن کریم نے ایک ایسے آگ کے گڑھے سے دی ہے جس کے کنارے پر آپ کھڑے ہوں اور بعید نہ ہو کہ وہ کنارہ منہدم ہو اور اپنے اوپر کھڑے ہونے والوں سمیت جہنم میں جا پڑے۔ فرمایا خدا نے اپنی نعمت سے تمہیں اس سے بچالیا، تمہارے دلوں کو باندھ دیا اور ایک کر دیا اسے یاد رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ دوبارہ تم پھر وہی حرکت کرو اور جس خوفناک انجام سے تم بچائے گئے ہو دوبارہ آنکھیں کھولتے ہوئے اس انجام کی طرف آگے بڑھو۔ یہ وہ تنبیہ ہے جو اس مبارک باد کے ساتھ شامل ہے اور ہمیں چونکہ ابھی بہت لمبا سفر کرنا ہے۔ بہت عرصہ لگے گا، ایک صدی کی بھی بات نہیں۔ ہوسکتا ہے پوری دو مزید صدیاں اس کام کے پایہ تکمیل تک پہنچنے میں لگ جائیں۔ اس لئے اس ایک بات کو مضبوطی سے پکڑ لیں کہ قرآن پر ہاتھ ڈالنا ہے اور اس طاقت کے ساتھ ڈالنا ہے کہ کبھی وہ ہاتھ پھر قرآن سے جدا نہ ہو اور قرآن پر ہاتھ ڈالنا ہے محمد مصطفیٰؐ کا دامن پکڑ کر اور آپؐ کے قدموں کو چھو کر اور آپؐ سے وابستہ ہو کر اور اس عزم صمیم کے ساتھ کہ سر الگ ہو جائیں مگر محمد مصطفیٰؐ کے قدموں سے الگ نہیں ہوں گے۔ ہاتھ کاٹے جائیں مگر محمد مصطفیٰؐ کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ یہ ہے وہ حبل اللہ کو پکڑ لینا جس کے

نتیجے میں یہ اجتماعیت کا فیض جو آج بھی آپ دیکھ رہے ہیں، پہلے بھی دیکھتے رہے ہیں، کل بھی اور پرسوں بھی اور میں امید رکھتا ہوں کہ صدیوں تک دیکھتے چلے جائیں گے۔ یہ فیض آپ کے ساتھ دائمی برکت کے طور پر رہے گا۔ یہ قدرت ثانیہ بن کر آپ کا ساتھ دے گا اور آپ کو نہیں چھوڑے گا مگر ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ آپ حبل اللہ کو نہ چھوڑنا۔ حبل اللہ سے چمٹے رہیں اور ہر قربانی پیش کر دیں مگر حبل اللہ سے الگ ہونے کا تصور بھی نہ کریں۔

آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حبل اللہ کے ساتھ چمٹے رہنے کی جہاں نصیحت فرمائی وہاں اس کا ایک ایسا حل پیش کیا جو بظاہر چھوٹی چھوٹی معمولی سی نصیحتوں پر مشتمل دکھائی دیتا ہے۔ مگر وہی حل ہے جس میں حبل اللہ کے ساتھ چمٹے رہنے کی روح موجود ہے۔ اس کے بغیر آپ اس نعمت کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ اور وہ حل حضور اکرم ﷺ نے یہ پیش فرمایا کہ اخلاق حسنہ پر قائم ہو جاؤ۔ اب بظاہر حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامنے کا اخلاق حسنہ سے کوئی ایسا تعلق تو دکھائی نہیں دیتا کہ گویا ایک ہی چیز کے دو نام ہوں۔ مگر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے پاک نمونے اور آپؐ کی پاک نصائح پر جب آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اخلاق حسنہ یعنی وہ اخلاقِ محمدی ﷺ جن کی بنیادیں عشق الٰہی میں گڑی ہوئی ہیں ان کے اخلاق کے بغیر کوئی دنیا کی جماعت ایک ہاتھ پر اکٹھی نہیں رہ سکتی، ان اخلاق حسنہ کے بغیر کوئی دل آپس میں ملے نہیں رہ سکتے۔ ان اخلاق حسنہ کے بغیر کوئی ملت، واحدہ نہیں کہلا سکتی کیونکہ اخلاق حسنہ سے دوری ہی دراصل دلوں کو پھاڑنے کا دوسرا نام ہے اور یہ بنیادی روح ہے جس کو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے ہمیشہ پیشِ نظر رکھا اور اسی طریق کے مطابق جماعتِ صحابہؓ کی تربیت فرمائی۔ پس وہی مضمون ہے جو میں گزشتہ چند خطبات سے آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور اس مضمون کو آج کی دنیا میں غیر معمولی اہمیت ہے جب تک جماعت احمدیہ اخلاق حسنہ کے ذریعے خود باہم محبت کے رشتوں میں مضبوطی کے ساتھ باندھی نہیں جاتی تمام دنیا کو ایک ہاتھ پر جمع کرنے کا خیال ہی محض ایک خواب ہے، ایک دیوانے کی بات ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ پس ان باتوں کو غور سے سنیں اور سمجھیں اور مضبوطی سے ان باتوں کو پکڑ لیں کیونکہ یہ حبل اللہ تک پہنچانے والی باتیں ہیں۔ یہی وہ باتیں ہیں جن کو مضبوطی سے دل میں بٹھا کر آپ حبل اللہ کا فیض پائیں گے اور آپ کے دل اکٹھے ہوں گے اور باہم مضبوط رشتوں میں باندھے جائیں گے۔

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ چھوٹی چھوٹی، پیاری پیاری باتوں میں نصیحت فرماتے ہیں اور ہر نصیحت کے پیچھے ایک عرفان کا خزانہ ہے۔ اس پر آپ غور کریں اور روزمرہ کی زندگی میں اس کا آپ اطلاق کر کے دیکھیں تو پتا چلے گا کہ قوموں کی اجتماعیت کو قائم رکھنے کے لئے یہ بظاہر چھوٹی دکھائی دینے والی نصیحتیں کتنی عظمت رکھتی ہیں۔

کوئی زندگی کا ایسا گوشہ نہیں جس پر آنحضرت ﷺ نے نصیحت نہ فرمائی ہو۔ نہ گھر کے حالات ایسے ہیں جن پر آپؐ کی نظر نہ گئی ہو، نہ بازار کے حالات ہے جن پر آپ کی نظر نہ گئی ہو، نہ امن کے حالات ہیں، نہ جنگ کے حالات ہیں۔ نہ دن کے نہ رات کے، کوئی لمحہ وقت کا ایسا نہیں، کوئی انسانی مصروفیت ایسی نہیں، جس کے ساتھ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی نصیحتوں کا تعلق نہ ہو گویا کہ ایسا نور ہے جو انسانی ضروریات کے ہر گوشے پر پڑ رہا ہے، ہر حصے کو منور کر رہا ہے۔ پس اس پہلو سے ان تمام نصیحتوں پر نظر رکھنا آپ کی اخلاقی قدروں کو قائم کرنے کے لئے اور اعلیٰ سطح پر بلند رکھنے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ تم رستوں میں بیٹھنے سے بچو۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ ہم وہاں بیٹھنے پر مجبور ہیں اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ مراد یہ تھی کہ امراء تو ایسے ہوتے ہوں گے جن کے پاس احاطے ہیں۔ بعض زمیندار ہیں جن کے پاس ڈیرے ہوتے ہیں، تو غریب بے چارے کہاں جائیں۔ ان کے لئے تو یہی ممکن ہے کہ بازار میں نکلیں سڑکوں پر کسی جگہ بیٹھ رہیں اور وہیں مجلس لگالیں تو انہوں نے ایک جائز عذر پیش کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ پھر ہم کیا کریں، کہاں جائیں۔ ہمارے تو گھر بھی چھوٹے چھوٹے۔ ان میں بھی لوگوں کو نہیں بلا سکتے تو مجلسیں کہاں کریں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جب تم وہاں بیٹھنے پر مجبور اور مصر ہو یعنی مجبوری کو قبول فرمالیا اور فرمایا تم اصرار بھی کر رہے ہو تو پھر راستے کو اس کا حق دیا کرو۔ مفت میں نہ بیٹھو اس کی قیمت ادا کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ راستے کا حق کیا ہے یا رسول اللہ ﷺ۔ تو آپؐ نے فرمایا نظریں نیچی رکھنا، دکھ دینے سے بچنا، سلام کا جواب دینا، نیک بات کی تلقین کرنا اور بری بات سے روکنا۔ (بخاری کتاب الاستیذان حدیث نمبر: 5760)۔

اب اگر ایسے لوگ بازاروں میں بیٹھے ہوں اور رستے میں بیٹھے ہوں تو ان رستوں کے لئے تو

زینت بن جائیں گے، ان رستوں کی رونق بن جائیں گے، اس کے ذریعے راستے کشادہ ہو جائیں گے بجائے اس کے کہ یہ لوگ تنگی کا موجب بنیں اور راہ کی ٹھوکر بنیں یہ راہ کی ٹھوکروں سے بچانے والے بن جائیں گے۔ پس جہاں بھی آپ جاتے ہیں جس بازار سے بھی نکلتے ہیں وہاں آنحضرت ﷺ کی اس نصیحت کو پیش نظر رکھا کریں اس سلیقے سے جائیں کہ آپ کی ذات سے کسی کو دکھ نہ پہنچے۔ آپ کی نگاہیں ان جگہوں پر نہ پڑیں جہاں نہیں پڑنی چاہئیں۔ آپ سلام کا جواب دیں اور ایک دوسری جگہ فرمایا **افشوا السلام** (ترمذی کتاب صفۃ القیامۃ) سلام کو خوب رواج دو۔ سلام کے جواب دینے کا جو یہاں ذکر فرمایا ہے اور سلام کرنے کی نصیحت نہیں فرمائی اس میں ایک حکمت ہے کیونکہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے جو آداب ہمیں سکھائے ہیں ان کی رو سے چھوٹا جب بڑے کو دیکھتا ہے تو پہلے چھوٹا بڑے کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے۔ یعنی بیٹھے رہنے والے کا کام نہیں ہے کہ وہ ہر چلتے پھرتے کو سلام کرتا جائے بلکہ چلنے والا بیٹھے رہنے والے کو جو کسی جگہ بیٹھا ہو اس جگہ وہاں سے گزرتے ہوئے حق ادا کرے اور اس کو سلام کرے۔ (بخاری کتاب الاستیذان حدیث نمبر: 5764) پس آنحضور ﷺ کی ذات میں کہیں ادنیٰ سا بھی تضاد دکھائی نہیں دیتا۔ آپؐ کی نصیحتوں میں بھی کہیں آپس میں کوئی تصادم نہیں ہے۔ پس یہاں آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ رستے کا حق ادا کرو اور اس طرح ادا کرو کہ جب تم بیٹھے ہو تو چلتے پھرتے لوگوں کو سلام کرتے رہو۔ فرمایا سلام کا جواب دو کیونکہ یہ چلنے والوں کا کام ہے اور انہیں کو نصیحت ہے کہ وہ جب کسی مجلس کے پاس سے گزریں تو اس کو سلام کہہ کر گزریں۔ نیک بات کی تلقین کرو۔ وہاں بیٹھ کر بے ہودہ سرائی نہ کرو۔ بعض دفعہ یہ مجلسیں لگتی ہیں وہ مجلسیں ضروری نہیں کہ سڑک کے کنارے پر لگی ہوں۔ ہوٹلوں میں بھی لگتی ہیں، چائے کی دوکانوں میں بھی لگتی ہیں، حلوائیوں کی دوکانوں پر بھی لگتی ہیں۔ ان کے سامنے کھڑے ہو کر لوگ گپیں مار رہے ہوتے ہیں۔ مگر جہاں جہاں بھی یہ مجلسیں لگتی ہیں بالعموم آنحضور ﷺ کی نصیحت سے عاری نظر آتی ہیں۔ نہ وہاں نیکی کی باتوں کی تلقین ہو رہی ہے، نہ وہاں کسی کے سلام کا جواب دینے کی پروا ہوتی ہے، نہ نظروں کو ادب سکھایا جاتا ہے، نہ بری باتوں سے روکا جاتا ہے۔ پس یہ وہ اسلوب ہیں جن کو امتِ واحدہ جب اختیار کرتی ہے تو جمعیت میں مزید طاقت عطا ہوتی ہے۔ آپس کے رشتے پہلے سے بڑھ کر مضبوطی سے باندھے جاتے

ہیں۔ پس ان نصیحتوں کو ہر بازار میں اپنے ساتھ اپنی حرزِ جان بنا کر ساتھ لے جایا کریں اور ان پر عمل کیا کریں۔

ایک روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو بخاری سے لی گئی ہے اور پہلی روایت بھی بخاری سے لی گئی تھی۔ ایک آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کون سا اسلام افضل اور بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا کھانا کھلانا اور ہر ملنے والے کو خواہ جان پہچان ہو یا نہ ہو سلام کہنا۔ (بخاری کتاب الاستیذان، حدیث نمبر: 5767)

آنحضور ﷺ سے ایک ہی سوال جب مختلف وقتوں میں کیا جاتا تھا اور سوال کرنے والا ایک خاص کردار کا مالک ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ اس ایک ہی سوال کے مختلف جواب دیا کرتے تھے اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کے کلام میں کوئی تضاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پوچھنے والے کو اس کے موقع اور محل کے مطابق کا جواب دیا جائے۔ ایک ایسا آدمی آیا جو اپنی ماں سے حسن سلوک نہیں کرتا تھا یا اس کا حق ادا نہیں کرتا تھا۔ اس کو فرمایا کہ ماں کی خدمت سب سے بڑا جہاد ہے اور ایک اور موقع پر جہاد کی دوسری تعریف فرمادی۔ چنانچہ حسبِ حال نصیحت فرمانا بھی سنت ہے۔ جب آپ نیک نصیحت کریں گے اور بری باتوں سے روکیں گے تو اس وقت بھی اس طرزِ محمد مصطفی ﷺ کو پیش نظر رکھیں کہ یونہی آنکھیں بند کر کے ہر اچھی بات کرتے چلے جانا، ہر بری بات سے روکنا یہ مراد نہیں ہے۔ موقع اور محل دیکھ کر ایسی نصیحت کریں جو جس کو سنائی جائے اس سے تعلق رکھتی ہو اور اسے فائدہ پہنچانے والی ہو۔ پس آنحضور ﷺ نے فرمایا کھانا کھلانا سب سے افضل کام ہے حالانکہ بہت سی دوسری احادیث میں مختلف کام ہیں جو افضل بتائے گئے ہیں اور ایک افضل کا مطلب ہے جو سب سے اچھا ہو تو دوسرا افضل اس سے مختلف کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ وہ سوال ہے جس کا میں آپ کو جواب سمجھا رہا ہوں۔ ہر شخص کے نقطہ نگاہ سے اس کے حالات پر چسپاں ہونے والا افضل اپنے معنے بدلتا رہتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک ایسا شخص آپ کے پیشِ نظر ہو جو کنجوس ہو، جو مہمان نوازی میں کمزور ہو تو اس کو یہ نصیحت فرمائی کہ سب سے افضل اسلام یہ ہے کہ لوگوں کو کھانا کھلایا کرو اور پھر دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ ہر ملنے والے کو خواہ جان پہچان نہ ہو سلام کہا کرو۔ یہ بھی میرے نزدیک اسی مزاج کے ساتھ تعلق رکھنے والی بات ہے۔ جو شخص فطرتاً خسیس ہو اور لوگوں تک اپنا فیض آگے بڑھ کر نہ پہنچائے وہ بے وجہ ہر شخص کو سلام

بھی نہیں کرتا۔اس سے بڑا اس کے فائدے کا آدمی نظر آ جائے تو اسے جھک کر بھی سلام کرے گا۔ اس کے سوا ہر آیا گیا اس کے لئے اجنبی ہے اور بے معنی ہے۔پس جس شخص کو آپ نصیحت فرما رہے ہیں اس کی بنیادی کمزوری کو پیش نظر رکھا ہے اور فرمایا کہ تم کھانا کھلانے میں کمزور ہو یہ کہا تو نہیں مگر مراد یہی تھی تم کھانا کھلایا کرو یہ بہت اچھا کام ہے اور اسی طرح سلام میں نہ صرف پہل کرو بلکہ ہر ایک کو سلام کیا کرو۔

آنحضور ﷺ سے روایت ہے یہ بھی بخاری سے لی گئی ہے۔حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی کسی دوسرے کو اس کی جگہ سے اس غرض سے نہ اٹھائے کہ تا وہ خود اس جگہ بیٹھے۔وسعت قلبی سے کام لو اور کھل کر بیٹھو۔چنانچہ ابن عمرؓ کا طریق یہی تھا کہ جب کوئی آدمی آپؓ کو جگہ دینے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھتا تو آپؓ اس کی جگہ پر نہ بیٹھتے۔(بخاری کتاب الاستیذان:5799)

اس حدیث کے دو حصے ہیں۔پہلا حصہ حدیث کہلاتا ہے دوسرا حصہ اثر ہے۔پہلے حصے میں آنحضرت ﷺ کی نصیحت ہے دوسرے میں صحابی نے جو نصیحت سنی اس سے اپنے لئے جو اس نے کردار چن لیا اور جو طریق اختیار کر لیا اس کا ذکر ہے۔پہلا واجب التعمیل ہے۔ہمارا فرض ہے کہ من وعن اس پر عمل کریں۔دوسرا واجب التعمیل نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے اس صحابی نے غلط سمجھا ہو اور اس کے بعد جو میں حدیث آپ کے سامنے رکھوں گا اس سے پتا چلتا ہے کہ اس صحابی نے اس حدیث کا مفہوم صحیح نہیں سمجھا۔یعنی احتیاط میں کچھ ضرورت سے زیادہ ہی آگے بڑھ گئے۔لیکن آنحضرت ﷺ جنہوں نے نصیحت فرمائی آپؐ اس نصیحت کا مضمون سب سے بہتر سمجھتے ہیں اسی لئے میں نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اس کے ساتھ ایک دوسری حدیث بھی رکھ دی ہے۔

پہلی حدیث کا بھی جو پہلا حصہ ہے یعنی جس کو میں حدیث کہتا ہوں مراد یہ ہے کہ جب آپ کسی جگہ جاتے ہیں تو کسی کو یہ نہ کہیں کہ تم اٹھ جاؤ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔مرتبے میں چھوٹا ہو یا بڑا ہو یا عمر میں چھوٹا ہو یا بڑا ہو کسی کو یہ کہہ کر جگہ خالی کروانا کہ میں آیا ہوں تھوڑی سی جگہ خالی کر دو۔یہ بدخلقی ہے اور آنحضرت ﷺ اخلاق کے جس بلند ترین مقام پر فائز تھے آپؐ اسی مقام کی

باتیں امت کو سکھا رہے ہیں۔ فرماتے ہیں مجھ سے اخلاق سیکھو، مجھ سے تعلق باندھا ہے، میں حبل اللہ ہوں۔ تم نے اللہ سے تعلق باندھنا ہے تو میرے وسیلے سے باندھو گے اور یہ انداز ہیں وہ تعلق باندھنے کے کہ جیسے میں کرتا ہوں ویسا ہی تم کرو۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی جگہ جانے پر کسی کو اشارۃً یا کنایۃً یا لفظاً اپنے مقام سے نہیں اٹھایا۔

یہاں یہ بات سمجھانی بھی ضروری ہے بعض دفعہ لوگ منہ سے نہیں کہتے مگر انداز بتا رہا ہوتا ہے کہ جگہ خالی کرو۔ وہ دیکھتے اس طرح ہیں کہ اور تمہیں کیا چاہئے میں آ گیا ہوں۔ اٹھو اور اپنی جگہیں پیش کر دو۔ چاہے یہ زبان سے کہا جائے یا عمل سے کیا جائے یہ دونوں چیزیں اس بلند اخلاق سے گری ہوئی ہیں جس پر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ فائز تھے مگر اس کا یہ مطلب نکالنا کہ اگر کوئی اپنی جگہ خالی کرے تو وہاں نہ بیٹھو یہ درست نہیں ہے اور یہ حصہ اثر ہے یعنی صحابی کی بات ہے، آنحضرت ﷺ کا طریق نہیں تھا، ابن عمرؓ کا طریق لکھا ہوا ہے کہ جب کوئی آپ کو جگہ دینے کے لئے اٹھتا تو آپ کہتے تھے نہیں میں نہیں بیٹھوں گا وہاں۔ آنحضرت ﷺ کا طریق کیا تھا۔ حضرت واثلہؓ بن خطاب سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص حاضر ہوا۔ حضور ﷺ اسے جگہ دینے کے لئے اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ کیسے بلند اخلاق ہیں جہاں آنے والوں کو نصیحت فرمائی ہے کہ تم نے اٹھانا نہیں ہے۔ وہاں یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر بیٹھا رہنے والا تن کر بیٹھا رہے کہ آنے والے کو نصیحت ہے کہ نہیں اٹھانا تو ہم کیوں اٹھیں اپنی جگہ سے۔ محمد رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کون معزز ہو سکتا تھا، ہو سکتا ہے یا ہو سکے گا۔ ایک ہی ہیں جو کائنات میں سب سے معزز تھے اور ہمیشہ معزز رہیں گے۔ آپ کا دستور یہ تھا کہ مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ آنے والا آیا ہے تو اپنی جگہ سے کچھ سرک گئے تا کہ اس کے لئے جگہ بن جائے۔ وہ شخص کہنے لگا حضور! جگہ بہت ہے آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا ایک مسلمان کا حق ہے کہ اس کے لئے اس کا بھائی سمٹ کر بیٹھے اور اسے جگہ دے۔

(بیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوۃ باب القیام)

پس آنے والے کو اور نصیحت ہے، بیٹھنے والے کو اور نصیحت ہے اور دونوں طرف Cushoning ہے۔ اگر کسی ایک سے بھی اخلاقی غلطی ہو تب بھی ٹھوکر نہیں لگے گی۔ دونوں

طرف ایسی دبیز چیزیں ہیں جو Shock proof ہیں۔صدمہ کو ختم کرنے والے اخلاق ہیں۔
پس اگر ایک سے ٹھوکر لگنے کا خطرہ بھی ہو تو دوسرا اپنے اوپر اس کو اس نرمی سے لے لیتا ہے کہ اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔پس وہ جو دستور تھا ابن عمرؓ کا، وہ ان کا اپنا ایک انداز تھا۔رسول اللہ ﷺ کی نصیحت سنی کہ دل میں اس زور سے گڑ گئی ہے کہ آپ وہم بھی نہیں کر سکتے تھے کہ اشارۃً یا کنایۃً بھی میں اس مضمون کے کسی پہلو پر عمل پیرا نہ ہو سکوں۔پس اس بات کو مبالغہ کی حد تک قبول کیا اور جب کوئی آپ کے لئے جگہ خالی کرتا تھا آپ وہاں بیٹھنے سے انکار کر دیتے تھے۔یہی واقعہ محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی ہوا آنے والے نے آپؐ کے ادب میں انکار کیا حضور نے فرمایا۔نہیں ہر مسلمان کو چاہئے کہ آنے والے کے لئے کچھ جگہ بنائے کچھ سمٹے۔یہاں ملاقاتیں جب ہوتی ہیں تو بعض دفعہ میں نے دیکھا ہے کرسیاں کم ہوتی ہیں آنے والے زیادہ ہوتے ہیں اور بعض دفعہ بچے بھی کرسیوں پر ڈٹے بیٹھے رہتے ہیں۔ان کے بڑے کھڑے ہیں اور ان کو پرواہ نہیں ہوتی اور اس عمر میں اگر یہ نصیحت ان کو دل نشین نہ کرائی گئی تو بڑے ہو کر وہ بد اخلاق لوگ بنیں گے۔یہ درست ہے کہ ماں باپ خود بچوں کو یہ کہہ کر اٹھو اٹھو میرے لئے جگہ خالی کرو۔ان کی عزت نفس کو کچلنا نہیں چاہئے مگر جب دوسرے آتے ہیں تو اس وقت نصیحت کر کے ان کو سمجھانا چاہئے کہ اپنے لئے جگہ نہ مانگیں، دوسروں کو جگہ دینے کے لئے آمادہ تو کریں یہاں تک کہ یہ ان کی فطرت ثانیہ بن جائے اور ہمارے سب بچوں کو یہ بنیادی محمد رسول اللہ ﷺ کا خلق ایسا یاد ہو جائے کہ ان کی رگ و پے میں سرایت کر جائے، ان کی فطرت ثانیہ بن جائے۔ہر شخص آنے والا بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے خلق کا مظاہرہ کر رہا ہو اور بیٹھنے والا بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے خلق کا مظاہرہ کر رہا ہو۔امرِ واقعہ یہ ہے کہ حدیث پر عمل کرتے ہوئے اور آپؐ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے آپ کے ذہن میں جو نقشہ ابھرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ گو جسمانی طور پر ہم سے جدا ہو چکے ہیں مگر آپؐ کی سیرت ہم سے کبھی جدا نہ ہو اور اس کائنات کے ہر جوّ کو آپؐ کی سیرت بھر دے، ہر اندھیرے کو آپؐ کی سیرت کا نور روشنی میں تبدیل کر دے اور یہی ایک ذریعہ ہے جس سے زمانہ کی تاریکیاں اجالوں میں تبدیل کی جائیں گی۔اس کے بغیر اور کوئی رستہ نہیں ہے۔اس لئے چھوٹی چھوٹی نصیحتوں کو معمولی نہ سمجھیں۔انہی سے آپ نے کائنات میں رنگ بھرنے ہیں، خوشبوئیں عطا

کرنی ہیں۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کا حسن ہے جس نے درحقیقت اس کائنات کے بدصورت چہروں کو لازوال حسن میں تبدیل کر دینا ہے۔

آنحضور ﷺ سے حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا میری سنت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ میزبان اعزاز و تکریم کے ارادے سے مہمان کے ساتھ گھر کے دروازے تک الوداع کہنے آئے۔ (سنن ابن ماجہ ابواب الاطعمہ باب الضیافۃ)۔

اب آنحضرت ﷺ کا ایک غلام اس نیت سے اس عادت کو اپناتا ہے تو اس کو پتا بھی نہیں کہ اس چھوٹی سی بات کا بعض دفعہ دوسروں پر کتنا گہرا اثر پڑتا ہے۔ مختلف مہمان تشریف لاتے ہیں (یعنی باہر سے ملنے کے لئے مختلف ملکوں سے) تو جہاں تک توفیق ہے میں آنحضرت ﷺ کی اس نصیحت پر عمل کرتا ہوں اگر بعض دوسرے مہمانوں کی مجبوریوں سے، کیونکہ ان کے آپس میں بھی حق ہوتے ہیں، میں باہر تک نہ جاسکوں تو کم سے کم دفتر کے دروازے تک آکر ان کو رخصت کرتا ہوں اور مجھے یاد ہے ایک پاکستان کے بہت معزز خاندان کے دوست تشریف لائے ان کا نام ظاہر کرنا مناسب نہیں تو کوئی تکلّف نہیں تھا، کوئی یہ خیال نہیں تھا کہ خاص طور پر ان کو مرعوب کروں گا۔ جیسے عادت تھی ان کو باہر تک کار کے دروازے تک چھوڑنے گیا۔ تو وہاں سے پتا چلا ایک احمدی نے لکھا کہ وہ جگہ جگہ ہر مجلس میں یہی تذکرے کر رہے ہیں کہ حیرت انگیز اخلاق ہیں اور میں اپنی جگہ شرمندہ بھی ہوا اور میں نے سوچا کہ اتنی معمولی سی بات، جو میرا خلق ہے ہی نہیں، یہ تو میرے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ؐ کا خلق تھا میں نے تو عاریتاً مانگا ہوا تھا اور میری نیکی کا اس میں کوئی بھی دخل نہیں۔ یہ وہ خلق ہے جو ایک خلق ایک موقع پر، ایک چھوٹے سے اظہار میں دلوں کو جیت لینے والا ثابت ہوا ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں آپ اس خلق کو اپنائیں تو دیکھیں کتنے دل جیتے جائیں گے لیکن خلق ایک نہیں بلکہ ہزارہا خلق ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے خلق ہیں جو محمد مصطفیٰ ﷺ کے فیض عام نے ہم تک پہنچائے اور ایک سمندر فیوض کا جاری فرما دیا ہے۔ ان اخلاق کو اپنی زندگیوں میں اپنا لیں پھر دیکھیں آپ کے اندر کتنی عظیم انقلابی طاقتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے آپؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب

تم تین ہوتو تم میں سے دو الگ سرگوشی نہ کریں جب تک کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ نہ مل جاؤ کیونکہ اس طرح تیسرے آدمی کو رنج ہوسکتا ہے۔(مسلم کتاب السلام باب تحریم مناجاۃ)۔مراد یہ ہے کہ پتا نہیں وہ کیا بات کر گئے ہیں۔اب یہ جو خلق ہے اس کا خاص طور پر ایسے ملکوں سے گہرا تعلق ہوجاتا ہے جہاں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔مختلف قومیں آباد ہیں، اپنی اپنی زبانیں لے کر آ گئیں۔اب یہ تو ہر ایک کے لئے ممکن نہیں کہ ہر ایک دوسری زبان کو سیکھے اور اپنی بات کے ایسی زبانوں میں ترجمے کرتا چلا جائے کہ مجلس میں بیٹھا ہوا ہر شخص اس کو سمجھ سکے۔ یہ مراد نہیں ہے اول مراد یہ ہے کہ اگر ایسی مجلس میں ہو جہاں ایک ہی زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے تو کانوں میں سرگوشی نہ کرو اور دوسروں کی موجودگی میں ان سے الگ چھپ کر گویا راز کی بات نہ کرو۔ دوسری بات اس میں یہ ہے کہ اگر ایسی زبان بولنے والے ہیں جو تم بول سکتے ہو اگرچہ تمہاری زبان نہیں اور ایسا شخص بھی موجود ہو جو تمہاری زبان جانتا ہے تو جب آپ ایسے شخص سے اپنی زبان میں بات کریں گے تو عملاً یہ سرگوشی کے قائم مقام ہوجائے گی اور وہ شخص جو آپ کی زبان نہیں سمجھتا تیسرا ہے اس کے لئے تکلیف کا موجب بنے گی۔اسی لئے اکثر اوقات میں احمدیوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ جس ملک میں ہو اس کی زبان کو اتنی اہمیت دو کہ اگر تم سو بیٹھے ہو اور ایک بھی اس زبان کا بولنے والا ہو جو تمہاری زبان نہیں سمجھتا، تو اس حدیث کی نصیحت کا وہاں بھی اطلاق ہو گا۔آپس میں جب تم باتیں کرو گے وہ ایک شخص یہ سمجھے گا کہ مجھے اکیلا چھوڑ دیا گیا ہے گویا میں اس مجلس کا حصہ نہیں ہوں اور اس کا اس کے اوپر بہت اثر پڑ سکتا ہے یہاں تک کہ بعض لوگ اسی وجہ سے پھر مذہب سے بدظن ہوکر دور ہٹ جاتے ہیں۔ چنانچہ انگلستان ہی میں مجھے پتا چلا کہ دو خواتین تھیں جو کسی زمانے میں بہت ہی مخلص احمدی تھیں اور اس کے بعد ان کا رابطہ کٹ گیا۔ جب میں انگلستان آیا تو مجھے کسی نے بتایا کو وہ دو خواتین تھیں وہ ابھی تک زندہ ہیں اور ان کا رابطہ اس وجہ سے کٹا کہ وہ مجلسوں میں آتی تھیں تو پاکستانی خواتین آپس میں اردو میں یا پنجابی میں باتیں کرتی رہتی تھیں اور وہ جن کا ملک ہے وہ اپنے ہی ملک میں اجنبی بنی بیٹھی رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ جماعت سے بدظن ہوگئیں اور باوجود اس کے کہ پہلے ابتداء میں وہ بڑی قربانی کرنے والی تھیں، چندے بھی بہت دیا کرتی تھیں وہ قطع تعلق کر کے ایک طرف بیٹھ رہیں۔ جب مجھے پتا چلا تو ان کی طرف میں نے معذرت کا پیغام بھجوایا۔ان کی دل جوئی کی باتیں کیں اور ان سے کہا کہ مذہب تو اپنی جگہ ہے کسی کی بداخلاقی

کی وجہ سے آپ کیوں خودکشی کرتی ہیں، اپنا نقصان کیوں اٹھاتی ہیں۔اس نے بڑا غلط کام کیا ہے لیکن یہ مطلب تو نہیں کہ آپ اپنا تعلق محمد رسول اللہؐ اور اسلام سے کاٹ لیں۔ چنانچہ اللہ کے فضل کے ساتھ اس نصیحت نے اثر دکھایا اور ایک خاتون کا پتا چلا ان کو میں نے بہت لجاجت کے ساتھ بلایا کہ ہمارے گھر تشریف لائیں، ہمارے ساتھ کھانا کھائیں اور لجنہ کو پیغام دیا کہ یہ جب ملا کریں تو ان سے عزت کے ساتھ پیش آیا کریں۔ دو تین چھوٹی چھوٹی باتوں سے ان کی کایا پلٹ گئی، چندوں میں غیر معمولی طور پر نمایاں ہو گئیں۔ حالانکہ خطرہ یہ تھا، اطلاع یہ تھی کہ ایک موقع پر وہ یہ سوچ رہی تھیں کہ دوبارہ عیسائیت میں مدغم ہو جائیں اور اسلام کو ترک ہی کر دیں کیونکہ وہ سمجھتی تھیں کہ اگر کسی مذہب میں عام روزمرہ کے اخلاق بھی درست نہیں ہیں تو پھر اس نے ہماری راہنمائی کیا کرنی ہے؟ تو آنحضرت ﷺ کی یہ چھوٹی چھوٹی نصیحتیں ہمارے عمل کرنے کے لحاظ سے چھوٹی ہیں، اپنے مرتبے اور مقام اور رفعتوں کے لحاظ سے چھوٹی نہیں۔ان کی مثال ان دوکلموں کی سی ہے جن کے متعلق آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِى الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ.

(بخاری کتاب الایمان حدیث نمبر:6188) کہ دو کلمے ہیں بالکل چھوٹے چھوٹے زبان پر ہلکے ہیں لیکن وزن میں بہت بھاری ہیں اور اللہ کو بہت ہی پیارے ہیں۔تو چھوٹی نصیحت ان معنوں میں کہ اس نصیحت پر عمل کرنا یا ان نصیحتوں پر عمل کرنا اتنا آسان ہے کہ آدمی جب عمل کرتا ہے تو حیرت سے دیکھتا ہے کہ یہ نیکی کیسے ہوگئی یہ تو معمولی سی بات ہے۔لیکن وزن میں یہ باتیں اتنی گہری، اتنی وزنی اور اتنی ٹھوس ہیں کہ قوموں کی تقدیریں بدلنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

پس اپنے آپ کو ایک بااخلاق جماعت بنائیں اور بااخلاق جماعت بننے کے لئے بااخلاق گھر بنانے ضروری ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ بازاروں میں تو آپ خلیق ہوں اور گھروں میں بدتمیز اور بداخلاق ہوں اس سے قومیں نہیں بن سکتیں یہ ایک دھوکے کی زندگی ہے۔بعض لوگ مجھے لکھتے ہیں مثلاً بعض عورتوں نے مجھے لکھا کہ ہمارے خاوند بڑے ہردلعزیز ہیں۔ باہر بہت اچھی باتیں کرتے ہیں۔لوگ ان کے بڑے قائل اور ان کے گرویدہ اور گھر آکر ایسے بداخلاق ہو جاتے ہیں کہ مجھ سے اور بچوں سے تلخی کے سوا کوئی بات ہی نہیں نکلتی۔ یہ خلق محمدیؐ نہیں ہے یہ تو خلق منافقت ہے خلق محمدیؐ تو

وہ ہے جو اندھیروں میں بھی اسی طرح روشن ہو جیسے روشنی میں روشن تر ہو جاتا ہے اور جگہ کے فرق سے اس کے اندر کوئی فرق نہیں پڑتا سوائے اس کے کہ وقت کے تقاضوں سے بعض دفعہ پہلے سے بڑھ کر وہ جوش دکھاتا ہے۔ پس وہی خلیق ہے جو اپنے گھر میں خلیق ہو تبھی آنحضرت ﷺ نے اخلاق کا سفر گھر سے شروع کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

آنحضور ﷺ فرماتے ہیں **خیر کم خیر کم لاھلہ** تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہترین ہو۔ **وانا خیر کم لاھلی** (ترمذی کتاب المناقب) اور میں تم سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے لئے بہترین ہوں۔ آنحضرت ﷺ کے خیر کا سفر گھر سے شروع ہوتا ہے لیکن گھر پر ختم نہیں ہو جاتا گھر سے شروع ہوتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے، دوسروں کے گھروں تک فیض پہنچاتا ہے، تمام عالم آپ سے فیض یاب ہو جاتا ہے۔

پس اپنے گھروں میں اپنے اخلاق درست کریں تو پھر آپ حقیقت میں سچے طور پر خلیق کہلا سکتے ہیں۔ بااخلاق انسان کہلا سکتے ہیں اور اس کے بغیر آپ دنیا میں تبدیلی نہیں کر سکتے۔ میں نے پہلے بھی اس طرف توجہ دلائی تھی کہ گھر میں بداخلاقی کے بہت سے ایسے بدنتائج نکلتے ہیں جو نسلوں کو تباہ کر سکتے ہیں۔ باہر کی بداخلاقی وقتی طور پر آپ کو نقصان پہنچا سکتی ہے، آپ کے دین کو نقصان پہنچا سکتی ہے لیکن بات آئی گئی ہو گئی۔ لیکن جو بداخلاقی آپ گھر میں کرتے ہیں وہاں اپنی نسلوں کو بداخلاق بنا رہے ہوتے ہیں۔ ایسی نسلیں پیچھے چھوڑ کر جا رہے ہوتے ہیں جو سارے ماحول میں بدخلقیوں کے زہر گھلا دیتی ہیں اور پھر نسلاً بعد نسل آپ کی بداخلاقیوں کو آگے بڑھاتی چلی جاتی ہیں کیونکہ بدخلق ماں باپ کے بچے بسا اوقات، الا ماشاء اللہ، سب کے سب بدخلق نکلتے ہیں اور جو شخص اپنے گھر میں اپنے باپ کو گندی زبان استعمال کرتے دیکھتا ہے وہ خود بھی ویسی ہی گندی زبان پھر دوسروں کے لئے استعمال کرتا ہے اور بعض دفعہ وہ اپنے باپ کے لئے بھی وہ زبان استعمال کرتا ہے مگر دل میں کرتا ہے۔ بہت سے ایسے نفسیاتی مریض میرے پاس آئے ہیں مثلاً ابھی کچھ عرصہ پہلے انگلستان میں ایک غیر مسلم خاتون تھیں بہت شدید نفسیاتی مرض میں مبتلا تھیں میرے پاس تشریف لائیں کہ میں تو سب ڈاکٹروں کے پاس پھر چکی ہوں میرا کوئی علاج نہیں اور میرا دل چاہتا ہے کہ خودکشی کر کے اپنے آپ کو ختم کر لوں۔ میں نے کہا کیا بیماری ہے آپ کو۔ کہنے لگیں کہ بڑے بُرے خیالات دل سے اٹھتے

ہیں۔ان کی طرز سے میں سمجھا کہ برے خیال سے کوئی اور مراد ہے۔ میں نے کہا خدا تعالیٰ کے متعلق آپ دل میں بدزبانی کرتی ہیں انہوں نے کہا ہاں یہی بات ہے آپ نے بالکل صحیح بات پکڑی ہے۔ میں نے کہا کیا اس سے پہلے آپ اپنے ماں باپ یا خاوند کے خلاف ایسے ہی جذبات رکھتی تھیں اور ان کو دبا لیا کرتی تھیں۔ان کا چہرہ کھل گیا جیسے میں ان کے دل کے راز پڑھ کر جس طرح کتاب سنائی جاتی ہے وہ سنا رہا ہوں۔انہوں نے کہا یہی تو بات ہے جو کسی کو پتا نہیں چلتی بالکل اسی طرح واقعہ ہوا ہے۔میں نے کہا اس پر آپ نے اس کو دبایا اور آپ خوف زدہ ہوئیں اور آپ نے کہا دیکھو میرے باپ کا مقام کیا ہے اور میں اس کے متعلق کیا لفظ سوچ رہی ہوں اور ڈر گئیں اور پھر ایک خوف دوسرے خوف میں تبدیل ہونے لگا۔ پھر آپ کو اسی سوچ میں خیال آیا کہ اگر میں اللہ کے متعلق ایسا کلمہ کہہ دوں تو پھر کیا ہوگا۔تو یہ آپ کا خوف ہے جو آپ کو ڈرا رہا ہے۔وہ بدی خدا کے متعلق آپ کے دل سے نہیں پھوٹ رہی۔اس لئے آپ اس بات کو بھول جائیں کہ آپ گنہگار ہیں۔اصل میں اس گناہ کی جو کنہ ہے، آغاز ہے وہ نیکی سے شروع ہو رہا ہے اور خوف زدہ ہو کر آپ کو پتا نہیں کہ آپ کیا حرکت کر رہی ہیں اور کس دباؤ کے نیچے ہیں۔ان کو میں نے پیار سے سمجھایا اور میں نے کہا کہ آپ مسلمان تو نہیں لیکن آنحضرت ﷺ کی ایک نصیحت ہے جو شاید آپ کے دل کو تسلی دے سکے۔آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کے ان خیالات کے گناہ اٹھا دئے گئے ہیں جو مجبوراً ان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں مگر ان پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا، بے اختیاری کی باتیں ہیں۔میں نے کہا دیکھو ہمارے آقا و مولا محمد مصطفی ﷺ نے چودہ سو سال پہلے ایسے تمام نفسیاتی مریضوں کا علاج بھی بیان فرما دیا۔ اس کا حل پیش کر دیا۔میری یہ باتیں سن کر ان کو اتنا اطمینان نصیب ہوا کہ انہوں نے کہا کہ آج تک نہ کبھی کسی ڈاکٹر سے یہ بات مجھے ملی نہ کسی بزرگ سے یہ بات سمجھ آئی۔آج پہلی دفعہ میرے دل کو ٹھنڈ پڑی ہے ورنہ میرا دل چاہتا تھا کہ میں خودکشی کر کے مرجاؤں اور بعینہٖ یہی بات تھی۔

پس حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی نصائح زندگی کے ہر حصے پر چھائی ہوئی ہیں۔ہر نفسیاتی بیماری سے تعلق رکھتی ہیں اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ان باتوں میں بھی جو دلوں میں پوشیدہ ہیں محمد رسول اللہ ﷺ پہلے ہی جواب دے رہے ہیں گویا تمام دنیا میں لوگوں کے دلوں پر نظر ہے حالانکہ عالم الغیب نہیں مگر عالم الغیب سے ایسا گہرا تعلق ہے کہ اس سے ایک روشنی پائی ہے اور وہ روشنی تمام

انسانوں کے دلوں تک سرایت کر جاتی ہے۔ پس حضور اکرم ﷺ کی نصیحتوں کو بڑی مضبوطی سے تھام لیں۔ یہی حبل اللہ ہے حقیقت میں۔ اسے پکڑ لیں تو پھر کبھی منتشر نہیں ہوں گے۔ فرماتے ہیں دیکھو جب تیسرا آدمی بیٹھا ہو تو ایسی زبان میں بات نہ کیا کرو جس سے اس کے لئے ٹھوکر کا سامان ہو وہ سمجھے کہ مجھے الگ کر دیا گیا ہے اور دل میں رنجش محسوس کرے۔

آنحضور ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا یہ حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے، مسلم کتاب البر سے لی گئی ہے معمولی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھو۔ نیکی نیکی ہی ہوتی ہے چاہے تھوڑی ہی ہو۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ کہتے ہیں۔ چوری چوری ہی ہوتی ہے۔ پنجابی میں کہتے ہیں ’’لکھ دی وہ چوری تے ککھ دی وی چوری‘‘ لاکھ چراؤ تب بھی چوری ’’ککھ‘‘ چراؤ تب بھی چوری۔ چوری چوری ہی ہے۔ نیکی کا بھی یہی حال ہے نیکی کا ایک ازلی پیوند خدا تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ جس نیکی سے بھی آپ پیوند لگائیں گے آپ کا تعلق خدا تعالیٰ سے قائم کرنے والی ہوگی۔ اسی لئے آنحضور ﷺ فرماتے ہیں اخلاقی تعلیمات کو معمولی نہ سمجھو۔ یہ نیکیاں ہیں۔ ان کو اہمیت دو۔ یہاں تک فرمایا اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آنا بھی تو ایک نیکی ہے اور کچھ نہیں ہوتا تو ہنس کر بات کر لیا کرو۔ (مسلم کتاب البر والصلۃ، باب استحباب طلاقۃ الوجہ عند اللقاء)

آج کل کے زمانے میں بعض لوگ بڑے فخر سے نئی تہذیب کا یہ محاورہ پیش کرتے ہیں کہ مسکرا کے ملو تمہیں اس کی کوئی قیمت نہیں دینی پڑتی۔ آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت محمد مصطفی ﷺ ہمیں یہ نصیحت فرما چکے ہیں کہ خندہ پیشانی سے ہی پیش آجاؤ یہ مراد نہیں کہ یہی کافی ہے۔ موجودہ نصیحت کہ مسکرا کر ملو تمہیں اس کی کوئی قیمت نہیں دینی پڑتی۔ ایک سرسری اور محض ایک مصنوعی سی نصیحت ہے۔ اس میں گہرائی نہیں ہے۔ اس بات کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جہاں پیسے دینے پڑیں وہاں بے شک نیکی نہ کرو کیونکہ دلیل یہ قائم کی گئی ہے کہ دوسرے سے مسکرا کر پیش آؤ کیونکہ تمہیں مسکراہٹ کی قیمت نہیں دینی پڑتی۔ بصورت دیگر اگر قیمت دینی بھی پڑے تو پھر بے شک نہ مسکراؤ۔ اسلامی تعلیم تو بہت گہری ہے اور اس سے بہت زیادہ ہے۔ مسکراؤ بھی اور اپنے پلے سے دو بھی اور قربانیاں بھی کرو۔ یہ اسلامی تعلیم ہے مگر اگر کسی وجہ سے تم اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو کرو کہ خندہ پیشانی سے بھائی سے پیش آؤ۔

آنحضرت ﷺ نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا یہ چھوٹی چھوٹی نیکیوں کی بات ہو رہی ہے اس ضمن میں میں حوالہ آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ کوئی شخص جب ہماری مسجد یا بازار سے گزرے تو اپنے نیزے کی انی کو پکڑ لے ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کو لگ جائے۔(سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی النبل یدخل فی المسجد)

یعنی اپنی چیزوں سے دوسروں کی حفاظت کرنا تمہارا فرض ہے اور اگر بازار میں ہتھیار لے کر جا رہے ہو تو اپنا ہاتھ اس پر رکھو تا کہ اگر ٹھوکر لگے اور صدمے سے تم اتفاقاً گر جاؤ تو تم زخمی ہو، تمہارا بھائی زخمی نہ ہو۔ نیزے کے پھل پر ہاتھ رکھنے میں یہ تعلیم ہے ورنہ اتفاقاً ٹھوکر لگتی ہے اور گرتے ہیں تو نیزہ کسی کو لگ جاتا ہے تو آپ کہتے ہیں معاف کرنا میرا یہ ارادہ نہیں تھا، یہ تو میری نیت نہ تھی اس طرح ہو گیا۔ تو آنحضورؐ کی نصیحت پر عمل ہو تو آپ یہ نہیں کہیں گے کہ معاف کرنا میری غلطی سے یہ ہو گیا ہے۔ جو غلطی سے ہوا آپ کو نقصان ہو گا۔ آپ کے بھائی کو نہیں ہو گا۔ بھائی آپ کی طرف لپکیں گے کہ او ہو آپ کو تکلیف پہنچی ہے ہم اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا اور یہ حدیث بھی ابوذرؓ کی ہے اور مسلم سے لی گئی ہے کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا (یہ ایک کشفی نظارہ ہے جس کا بیان ہے) جو جنت میں پھر رہا تھا۔ اس نے صرف یہ نیکی کی تھی کہ ایک کانٹے دار درخت کو جس سے راہ گزرنے والے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی تھی رستے سے کاٹ دیا تھا۔ ایک اور روایت ہے کہ ایک آدمی نے رستے میں ایک درخت کی لٹکی ہوئی ٹہنی دیکھی جس سے مسلمانوں کو گزرتے وقت تکلیف ہوتی تھی۔ اس نے کہا خدا کی قسم میں اس ٹہنی کو کاٹ کر پرے ہٹا دوں گا تا کہ مسلمانوں کو یہ تکلیف نہ دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس کے فعل کی قدر کی اور اس کو بخش دیا(مسلم کتاب البر والصلۃ باب فضل ازالۃ الاذی عن الطریق)

یہاں یہ بات سمجھانے کے لائق ہے کہ بعض دفعہ جو چھوٹی چھوٹی نیکیاں ہیں وہ بڑے بڑے اثرات دکھاتی ہیں۔ ایک دفعہ ایک مریض میرے پاس تشریف لائے ان کی ایک آنکھ بینائی سے جاتی رہی تھی اور خطرہ تھا کہ دوسری آنکھ بھی نکالنی پڑے گی اور وہ رستہ چلتے کسی شاخ سے آنکھ ٹکرانے کے نتیجے میں یہ بیماری شروع ہوئی تھی۔ کوئی تیز سا پتا تھا جو تیزی سے چلتے چلتے آنکھ میں لگا اور اس کو تراش گیا ہے اور جب ایک آنکھ ضائع ہو تو بعض دفعہ Sympethaticaly کہا جاتا ہے کہ گویا اس کی ہمدردی میں دوسری آنکھ بھی جواب دے جاتی ہے تو ایسا ہی کیس تھا۔ پس ہے تو

چھوٹی سی نیکی لیکن اس کے اثرات بہت بڑے ہو جاتے ہیں اور بڑے پھیل جاتے ہیں۔ ایک چھوٹے سے فعل سے آپ بنی نوع انسان کو کئی قسم کی مصیبتوں سے بچا لیتے ہیں تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے بعد وہ بدیاں کرتا رہا اور پھر بھی معاف رہا۔ اس مضمون کو ہمیشہ صحیح صورت میں سمجھنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ کسی سے عفو کا سلوک فرماتا ہے اور اس کی بات کو پسند کر لیتا ہے تو اس کے نتیجے میں اس کو دوسری نیکیوں کی توفیق ملتی ہے اور اسے واپس نہیں بلاتا جب تک کہ اس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری نہ ہو جائے۔ پس اس فیض کے ذریعے جو دوسروں کو پہنچا مسلسل اس کو بھی ایک فیض ملتا چلا جاتا ہے۔ اس کی اپنی وہ بدیاں دور ہونے لگتی ہیں جو خود اپنی ذات کے لئے خطرہ ہیں اور ان کی جگہ نیکیاں لے لیتی ہیں۔

ایک موقع پر ایک شخص نے سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ میں اسلام سے پہلے بھی بعض نیکیاں کیا کرتا تھا مثلاً پرندوں کو چوگا ڈال دیا کرتا تھا جو کچھ میسر آئے تاکہ یہ بھوکے نہ رہیں اس کا بھی کوئی اجر ہوگا جو اسلام سے پہلے پہلے نیکیاں کی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہی تو اجر ہے۔ تمہیں نہیں پتا چل رہا کہ تم مسلمان ہو گئے ہو یہ اسی کا اجر ہے۔ تو یہ معنی ہیں مغفرت کے کہ ایک نیکی کئی بدیوں سے روکتی ہے اور نئی نیکیوں کو جنم دے جاتی ہے۔ پس جتنے لوگوں کو بھی اس شاخ سے نقصان پہنچ رہا تھا اور نہیں پہنچا اس کی نیکیاں اس شخص کے حق میں اس طرح لکھی گئیں کہ وہ خود اپنے نفس کی بدیوں سے بچایا گیا۔ یہاں تک کہ اللہ نے اس کو بلایا نہیں جب تک اس کی نیکیوں کا پلڑا بدیوں پر بھاری نہ ہو گیا۔

حضرت مقداد بن معدی کربؓ سے مروی ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا جب کوئی اپنے بھائی سے محبت کرتا ہو تو چاہئے کہ اسے بتا دے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے (مشکوٰۃ المصابیح باب الحب فی اللہ و من اللہ) لیکن محبت کیسی ہے جس کا ذکر ضروری ہے۔ آپ کو یہ سمجھانا بہت ضروری ہے ورنہ بے ہودہ غلط محبتوں کی یہاں بات نہیں ہو رہی۔

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے افضل عمل اللہ کی خاطر محبت کرنا ہے اور اللہ کی خاطر بغض کرنا ہے۔ (سنن ابوداؤد کتاب السنة باب الاھواء)۔

پس جن محبتوں کا ذکر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ فرما رہے ہیں وہ للّٰہی محبت ہے۔ اللہ کی خاطر آپ کسی بھائی کو پیار کرتے ہیں تو اس کو بتائیں کہ میں خدا کی خاطر تم سے پیار کرتا

ہوں اس آپس میں سوسائٹی میں محبت کے رشتے مضبوط ہوتے ہیں اور اسی طرح اللہ کی نعمت یعنی محمد رسول اللہ ﷺ دلوں کو باندھنے کا موجب بنتے ہیں۔

پھر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا ایمان کی ایک نشانی انصار سے محبت رکھنا اور نفاق کی ایک علامت انصار سے بغض رکھنا ہے۔ یہ حدیث بخاری کتاب الایمان سے لی گئی ہے۔ یہ تو سب کو علم ہے کہ انصار تھے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے مدینہ کے وہ باشندے جنہوں نے مہاجر بھائیوں کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور اللہ کی خاطر، بعضوں نے گھر بانٹ لئے، بعضوں نے جائیدادیں تقسیم کر دیں۔ مگر خدا کی خاطر اپنے لٹے ہوئے بھائیوں کی مدد کی۔ یہ انصار ہیں مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی ایک لطیف تشریح فرمائی ہے کہ اس سے مراد ہر زمانے میں دین کی خدمت کرنے والے ہیں۔ (مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 381)۔ پس آج بھی مثلاً جماعت جرمنی میں جو کثرت سے دین کی خدمت کرنے والے پیدا ہو رہے ہیں۔ ان سے بغض رکھنا آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کو پسند نہیں ہے۔ اللہ اس سے پیار کرتا ہے جو انصار سے پیار کرتا ہے۔ پس اس طرح اگر اس انصار کی تعریف کو وسیع کر دیا جائے تو ہر خدمت دین کرنے والا اپنے اردگرد محبوں کی ایک جماعت پیدا کرتا چلا جائے گا اور اس کے نتیجے میں نیکی کی قدر ہو گی اور نیکی کو اہمیت ملے گی اور نیکی کے نتیجے میں لوگ محبوب ہوا کریں گے۔

چونکہ اب وقت ختم ہو چکا ہے اور بھی دوسرے پروگرام ہیں اس لئے مجھے افسوس ہے کہ اس مضمون کو میں آج اس خطبہ میں ختم نہیں کر سکا۔ انشاء اللہ باقی باتیں آئندہ خطبے میں آپ سے ہوں گی میں صرف ایک نصیحت کے بعد آپ سے اجازت چاہوں گا کہ اس وقت جو خصوصیت کے ساتھ نصرت کے محتاج ہیں، فی سبیل اللہ جن کی خدمت کرنا آج جماعت جرمنی پر اور یورپ پر خصوصیت سے فرض ہے وہ اپنے بوسنین بھائیوں کی خدمت ہے۔ یہ محض للہ ستائے گئے ہیں ان کا اور کوئی قصور نہیں تھا سوائے اس کے کہ یہ اسلام سے وابستہ تھے اور جن طاقتوں نے بھی یہ فیصلہ کیا بہت بڑا ظلم کیا کہ یورپ کے دل میں یہ ہم ایک اسلامی حکومت نہیں بننے دیں گے۔ اگرچہ ان کو خود اسلام کا علم نہیں تھا مگر مارے اسلام کے نام پر گئے ہیں۔ کاٹے

اسی لئے گئے ہیں کہ انہوں نے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے دامن کو تھاما ہوا تھا اور کسی قیمت پر اس سے علیحدہ ہونے پر آمادہ نہیں تھے۔ پس یہ انصار ہیں آج جن کے ساتھ آپ کو سب سے زیادہ محبت کا سلوک کرنا چاہئے۔ اگر ایسا کریں گے تو آنحضرت ﷺ آپ کو خوش خبری دیتے ہیں کہ اللہ آپ سے محبت کرنے لگے گا۔ خدا کرے کہ آپ بنی نوع انسان سے اللہ کی خاطر محبت کریں اور اللہ بنی نوع انسان کی خاطر آپ سے محبت کرنے لگے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین۔